قرآن کے مخاطب اوّل عرب ہی کیوں ہوئے

عرب میں نبی خاتمؐ کی بعثت اور اُس کے اسباب

(از مولانا قمر الدین صاحب اصلاحی استاذ جامعۃ الٰہیات کانپور)

(۳)

دوسرا سبب اُمت عرب کا محافظ اور امین اسلام ہونے کا دوسرا سبب جو خاص اہمیت رکھتا ہے یہ کہ وہ اُمی، سادہ فطرت اور تہذیب وتمدن کے تباہ کن اثرات سے محفوظ تھے۔ ان کی معاشرت اور اصول زندگی رائج الوقت تمدن وتہذیب سے یکسر پاک تھا۔ ان کے یہاں سیاسیات ومعاشیات کے منضبط اصول ومبادی نہ تھے۔ ان کی کل کائنات اور سرمایۂ حیات اُن کے اشعار اور خطبے ہیں جن میں مواعظ وحِکَم اور علمی چاشنی بھی ہوتی اور رہن سہن کے اصول بھی، بہرحال ان کا اُمی اور فطرت سے قریب تر ہونا ظاہر وبین اور ناقابل انکار ہے۔

یہ قاعدہ رہا ہے کہ انسان جب بالکل خالی الذہن، گرد وپیش کے حالات ورسم ورواج اور تمدن وتہذیب کے چھوڑے ہوئے جراثیم سے محفوظ رہتا ہے اور پھر اس کے سامنے کوئی نظریۂ حیات کوئی نصب العین، اور کوئی راہِ عمل پیش کی جاتی ہے۔ تو وہ اپنی فطری اور خداداد صلاحیت کی روشنی میں غور کرتا ہے تو بلا تامل وتذبذب اس راہ عمل اور نصب العین کو اپنی فلاح کے لئے قبول کر لیتا ہے۔ اس کی مثال اس کچے برتن کی ہے جس پر آگ کی بھٹی میں ڈالنے سے پہلے ہر قسم کا نقش اور رنگ چڑھایا جا سکتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس کا قلب پہلے ہی سے مختلف نظریوں اور پیچیدہ مسائل کا آماجگاہ بن چکا ہو۔ اس کے سامنے اگر آپ کوئی چیز پیش کریں۔ خواہ وہ کیسی ہی واضح کیوں نہ ہو۔ وہ اُسے آسانی سے ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے عربوں کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اُن سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ وہ فطرت کے سادہ اور سہر ماحول کے نقش ونگار سے محفوظ تھے۔ مقدمہ ابن خلدون کے مصنف نے بداوت وقروی زندگی کی سادگی، فطرت کی سلامت اور قبول خیر کی صلاحیت پر ایک مفید فصل لکھی ہے جس کا ماحصل ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

" دیہی اور قروی زندگی شہری زندگی سے زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھری ہوتی ہے۔ اسی سبب سے دیہات کے باشندے شہروں کے رہنے والوں سے کہیں زیادہ بہتر اور صلاح وخیر سے قریب ہوتے ہیں۔ بدیں وجہ کہ انسان جب فطرتِ اولیٰ پر ہوتا ہے اور اس کا مزاج ومیلان طبعی خارجی اثرات سے پاک ہوتا ہے تو اس میں قبولیت واختیار کی

صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے اس کے سامنے جو چیز بھی پیش کی جائے خیر ہو یا شر، اسے قبول کر لینا اس کے لئے آسان ہوتا ہے اور ہر سانچے میں ڈھل جانا ممکن، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ	ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (لیکن) اس کے والدین
یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔	اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔

اس امر واقعی سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی فطری صلاحیت کے اعتبار سے خیر و شر میں سے جس سے جتنا ہی زیادہ قریب ہوگا۔ اُسی نسبت سے دوسرے سے اتنا ہی دور ہوگا۔ پس وہ انسان جو اعلیٰ اخلاق اور بہترین اوصاف کا مالک بن جانا چاہتا ہو، شر سے کوسوں دور ہوگا۔ اور اس کا نفس قبیح و شر کو اختیار کرنے سے ابا کرے گا۔ لیکن ایسے انسان کے لئے جو شر و فساد کا خوگر ہو اس کے لئے خیر و فلاح کی راہ کانٹوں سے بھری ہوگی

اس کلیہ کو سامنے رکھ کر شہروں کے رہنے والوں اور تہذیب و تمدن کے علمبرداروں کی زندگیوں، ذہنیتوں، اور طبیعتوں کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ اسباب عیش و عشرت کی فراوانی، دنیا طلبی اور نفس پرستی کی وجہ سے اخلاق کی گوناگوں خرابیوں اور شر و فساد کی بے شمار لعنتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ معائب اُن کی نگاہوں میں کچھ اس طرح رچ بس جاتے ہیں اور اُن کی فطرت پر اخلاقی گندگی کے توبر تو پردے اس طرح چڑھ جاتے ہیں کہ اُن سے خیر کی صلاحیت، فلاح کا احساس اور حسن و قبح کی قوت تمیز زائل و فنا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ اُن لوگوں کے سامنے بھی بیہودہ گوئیوں اور بدتمیزیوں سے باز نہیں آتے جو اُن سے سن و سال یا فضل و کمال کے لحاظ سے بلند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے محارم اور مستورات کے سامنے بھی ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کا تصور بھی ایک شریف اور سلیم الفطرت انسان نہیں کر سکتا۔ اُن کے اندر سے وہ قوت و احساس (نفس لوامہ) مضمحل بلکہ فنا ہو جاتا ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے۔ اس لئے کہ آوارگی گفتار و کردار کی عادت احساس و امتیاز اور جذبۂ عمل کو زائل کر دیتی ہے۔

بدوی اور دیہی باشندے اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ لیکن نہ اُن کے پاس سامانِ عیش و تنعم کی فراوانی ہوتی ہے اور نہ اس کے دواعی و محرکات اس لئے اُن کے اندر شہریوں کی بہ نسبت بُرے اوصاف کم ہوتے ہیں۔ اور فطرت صحیحہ سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ پس اُن کے امراض روحانی کا علاج بہت آسان ہوتا ہے۔ بخلاف شہریوں کے جن کے نام ہی سے شر و فساد کی انتہائی قباحت مترشح ہو رہی ہے۔"

علامہ ابن خلدون کی مصرحہ بالا تفصیلات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بدوی شہریوں سے نسبتہً فطرت اولیٰ سے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے خلال خیر اور محاسن اخلاق قبول کرنے کی صلاحیت اُن میں بدرجۂ کمال موجود ہوتی ہے۔

تیسرا سبب آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی وہ بشارتیں جن میں نہایت کھلے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ عالمگیر مذہب کا گہوارہ عرب کی سرزمین ہوگی اور نبوت کے آخری چاند کا مطلع افق عرب ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہم اول اول توراۃ کی بشارتوں کی طرف توجہ دلائیں گے۔ ملاحظہ ہو:۔ کتاب پیدائش کے سترہویں باب[1] میں ہے۔

"اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا۔ اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور اُسے بڑی قوم بناؤں گا" (ب ۱۷ آیت ۲۰)

"اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث بُرا نہ لگے جو کچھ سارہ کہتی ہے۔ تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے" (کتاب پیدائش پ ۲۱ آیت ۱۲-۱۳)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو برکت دینے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ سرکار دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ پورا ہوا۔ آپ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور دنیا میں خاتم النبیین بنا کر بھیجے گئے تھے۔

دوسری بشارت "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا ـــــ میں ان کے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا" (کتاب استثناء ب ۱۸ آیت ۱۵ و ۱۸)

ان دونوں آیتوں میں پیغمبر عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی، ایسی کھلی ہوئی بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی بھیجوں گا۔ یہ بات مخفی اور نامعلوم نہیں کہ بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ بنی اسماعیل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو فخر نبوت حاصل نہیں ہوا۔ پس یہ مسلم حقائق و واقعات قطعی اور ناقابل انکار ثبوت ہیں اس بات کا کہ تورات کی منقولہ بالا بشارت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔

تیسری بشارت حضرت موسیٰؑ اور حضرت حبقوقؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت ان صریح اور غیر مبہم الفاظ میں دیتے ہیں:۔

"اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور

---

[1] اس سلسلہ میں زیادہ تر خطبات احمدیہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ منہ

لاکھوں قدوسیوں میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی۔" (استثناء باب ۳۳ آیت ۲)
" خدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہو گئی۔" (حبقوق ب ۳ آیت ۳)

کتاب مقدس کی ان آیات میں جس ذات مبارک کا کوہ فاران سے ظاہر ہونا اور شریعت کا اس کے ہاتھ میں ہونا بیان کیا گیا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور قرآن کے نزول کا ایک غیر مشکوک اعلان و بشارت ہے۔ جغرافیائی تحقیقات اور توراۃ کے محاورات بتاتے ہیں کہ فاران مکہ معظمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ معاندینِ اسلام اور دشمنانِ رسول اپنے تعصب، عناد اور ہٹ دھرمی کے جذبات سے مغلوب ہو کر فاران کو مکہ معظمہ کا پہاڑ نہیں تسلیم کرتے۔ یہ بحث ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے اس لئے ہم اس سے قصداً اغماض کرتے ہیں۔ فاران کے متعلق انھوں نے جو غلط اور لاایعنی باتیں کہی ہیں۔ ان کے جوابات خطبات احمدیہ اور ارض القرآن جلد دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

چوتھی بشارت

حضرت اشعیاہ نبی وحی کی رو سے ان لوگوں کا ذکر جو خدا کی سچی پرستش از سرِ نو قائم کریں گے اس طرح کہتے ہیں :۔ " ایک جوڑی سواروں کی دیکھی۔ ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا" (کتاب اشعیاہ ب ۲۱ آیت ۷) مذکورہ بالا آیت میں دو برگزیدہ ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو خدا کی سچی پرستش از سرِ نو قائم کریں گے اور توحید کا پرچم لہرائیں گے۔ جس ہستی کو گدھے کا سوار بتایا ہے اُس کے متعلق بغیر کسی تذبذب اور شک و شبہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہیں، آپ یروشلم میں گدھے پر سوار ہو کر داخل ہوئے تھے۔ آپ نے توحید کا علم بلند کیا۔ اور پھر خدا کی سچی پرستش از سرِ نو قائم کی۔ یہود کی تاریخ وحالات جاننے والے جانتے ہیں کہ یہود نے دین و شریعت کو کس طرح سے بدل ڈالا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تحریف کر ڈالی اور مذہب کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی ذات نے تحریف و تصحیف اور بے دینی کے طوفان کو روکا اور سنت موسوی کی تجدید کی۔ دوسری ہستی کا مصداق جس کو اونٹ کا سوار بتایا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے۔ اونٹ عرب کی خاص سواری ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور رسولؐ خدا مکہ میں داخل ہوئے تھے تو اونٹ پر سوار تھے۔ رہی خدا کی سچی پرستش سو نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد عرب کے افق سے باطل کا بادل جس طرح چھٹ گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

انجیل کی بشارتیں

پہلی بشارت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ ان کا وقت قریب آگیا ہے اور وہ جلد گرفتار کرلئے جائیں گے تو انھوں نے اپنے حواریوں کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں از آنجملہ یہ بھی فرمایا :۔

"میں نے تمہارے ساتھ رہ کر یہ باتیں تم سے کہیں۔ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی سب باتیں تمہیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" (یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۵-۲۶) "لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶) "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا" (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷) "لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳) - ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے "مددگار" کے لفظ سے آپ ہی کی ذات مبارک مراد ہے۔ اس کے دلائل پیش کر کے ہم ایک طولانی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے جاننے کی ضرورت محسوس ہو تو "خطباتِ احمدیہ" کی طرف مراجعت کی جائے۔

دوسری بشارت جب یحییٰ علیہ السلام کو مرتبہ رسالت ملا۔ تو یہودیوں نے کاہنوں کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ اُن سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں۔ اس کا ذکر یوں آیا ہے "یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انھوں نے اس سے کہا پھر تو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا۔ میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انھوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے۔" (یوحنا ب۱، آیت ۱۹-۲۵)

ان آیتوں میں علاوہ حضرت مسیح و الیاس علیہما السلام کے ایک اور نبی کا ذکر ہے جس کے آنے کی یہودیوں کو امید تھی۔ اور "وہ نبی" اتنا مشہور تھا کہ صرف اشارہ ہی اس کو بتانے کے لئے کافی تھا۔ ہم بھی آپ کے نام کی جگہ "آنحضرت" لکھتے اور بولتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں آیا ہے "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" یہودی اُسے اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ اب سوچئے کہ یہ نبی بجز اس کے اور کون ہو سکتا ہے جس کے سبب سے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو برکت دی گئی۔ اور جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ "تیرے بھائیوں میں تجھ سا پیغمبر پیدا کروں گا"، اور جس کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ "میرا محبوب سرخ و سفید سب میں تعریف کیا گیا (محمد) ہے"۔ اور جس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میرا جانا ضرور ہے تاکہ مددگار آوے"

ہم نے انجیل و توراۃ کی چند بشارتیں پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بشارتیں ملتی ہیں۔ زبور اور دوسرے

صحائف بھی بشارتوں سے خالی نہیں ہیں۔

چوتھا سبب اور عربی زبان کی فوقیت

چوتھا سبب جو ہمارے مدعا کا اتمامی ثبوت ہے۔ عربی زبان کی ہمہ گیری وسعت اور قدامت ہے۔ قرآن مجید میں جو یہ آتا ہے "انا انزلناہ قرآنا عربیا" اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ عربی زبان ہی وہ زبان ہے جو سب سے زیادہ ہمہ گیر اور وسیع زبان ہے اس کے ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لئے نوع بنوع کے اسلوب، ترکیبیں اور الفاظ و محاورات موجود ہیں۔ اس زبان کا قدیم اور ایام جاہلیت کا ادبی سرمایہ اور اشعار کا تاریخی جغرافیہ پتہ دیتا ہے کہ اس کی تاریخ بہت زیادہ قدیم ہے۔ مولانا ابو الکلام ترجمان القرآن جلد دوم ص۴۸۶ میں رقمطراز ہیں:۔

حضرت ایوبؑ عرب تھے

محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوبؑ عرب تھے عرب میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور سفر ایوبؑ اصلا قدیم عربی میں لکھی گئی تھی حضرت موسیٰؑ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔ سفر ایوب میں ہے کہ "وہ "عوض" کے ملک میں رہتے تھے"، آگے چل کر تصریح کی ہے کہ "ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا۔ (۱: ۱۵)"۔ ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کتاب پیدائش اور تواریخ اوّل میں عوض کو ارام بن سام بن نوح کا بیٹا کہا گیا ہے۔ اور ارامی بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں سے ہیں انیسویں صدی کے اوائل تک یہ بات پورے طور سے واضح نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہے، پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے آکر حملہ آور ہوتے تھے ایک مزید جغرافیائی روشنی ہے کیونکہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ عرب کا وہی مقام ہوگا جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ہے یعنی عمان سے لے کر حضر موت تک کا علاقہ کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں ایک اور بھی سامی نام ہمیں ملتا ہے یعنی (یوباب)، یہ بنی یقطان میں سے تھا۔ اور یقطان عبر سے پیدا ہوا اور عبر سلح بن ارفکسد بن سام سے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یوباب اور ایوب ایک ہی نام نہیں ہیں؟

سفر ایوب منظوم ہے

بالاتفاق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ تورات میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی سفر ایوب ہے۔ حضرت ایوبؑ کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے تھا۔ لیکن اگر یوباب سے مقصود ایوب ہیں تو انھیں حضرت ابراہیمؑ کا معاصر ہونا چاہئیے یا کم از کم حضرت اسحاق و یعقوب کا۔ سفر ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ وہ منظوم ہے نثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محققین تورات نے اسے بھی امثال و زبور کی طرح اصلا کتاب منظوم قرار دیا ہے۔ بلاغتِ کلام، شعریتِ بیان، اور بلندیٔ اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہدِ عتیق کا کوئی صحیفہ امثال و زبور کو چھوڑ کر اس کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا"

عربی علم کی قدامت

ان مختصر تاریخی ثبوت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے۔ جو عہد کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر حضرت موسیٰؑ سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم ادب کی نشوونما سے صدیوں پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ بلاشبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہوگی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی۔ بلکہ عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہوگی۔ جس کی اخوات ہمیں ارامی، کلدانی، اور اشوری کتبات کے الفاظ و اسماء میں نظر آرہی ہیں۔ اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں۔ تاہم وہ عربی زبان ہی ہوگی اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و اجزا بہم پہنچائے ہوں گے۔

جدید اثری انکشافات اور عربی کی قدامت

گذشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض محققین نے مجبور ہو کر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ زبانوں کی تخلیق اور نشوونما کا اسے ایک فوری تحول تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیکن اب اثری تحقیقات کے مواد نے بحث و تعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے۔ اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے۔ یہ زبان جس پر زندگی و خلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی۔ دراصل مدنی نشوونما کے اتنے مرحلوں سے گذر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں ہے۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایہ آرامی زبان کا عروج و احاطہ، کلدانی اور سریانی کا ادبی تمول دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تھے۔ اور اسی نے آگے چل کر چوتھی صدی قبل مسیح عربی کا لباس اختیار کیا۔ جو زبان حضارت و تمدن کی اتنی بھٹیوں سے پک کر نکلی ہو ظاہر ہے کہ اس کے اسماء و مصادر کسی مفلس و خام زبان کے اسماء و مصادر نہیں ہو سکتے۔

تابوت احیرام کا انکشاف اور عربی زبان کی قدامت

آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ سو نو سو برس پہلے اشوری اور بابلی زبان میں طبق۔ ملک، شمس، سماء، فلک، نجم، ارض وغیرہ الفاظ ٹھیک انھیں معنوں میں استعمال ہوتے تھے جن معنوں میں آج مستعمل ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ سنہ ۱۹۲۳ء کے ایک جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تک پیچھے ہٹا دیا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اور اس میں نہ صرف موجودہ اسماء و مصادر پائے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض حرف نحویہ تک موجود ہیں مثلاً حرف عطف وہی (و) ہے۔ اور اپنی ابتدائی فینیقی شکل ٢ میں لکھا جا رہا ہے۔ الف لام بدستور حرف تعریف ہے اور ہر اسم کے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے مثلاً الملک الجبل۔ ذی (بمعنی ذو، ذو الجلال۔ ذو القرنین) ہر جگہ نمودار ہے۔ اسم اشارہ

دہی (دہو)، ہے (علی)، اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے نیز ملک، فعل، طمع، احسن، فتح، محو، ٹھیک انھیں معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں بولے گئے — عربی کا یہ کتبہ تابوت پر منقش ہے، اس میں "احیرام" ملک بیلیس کی نعش رکھی گئی تھی اور اس کے بیٹے "توبعل"، کے حکم سے تیار ہوا تھا "احیرام"، کا نام توراۃ میں بھی آیا ہے اور اس کا زمانہ ۱۲۵۰ ق م ہے۔ کتبہ کا خط ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر فینیقی خط کہا جاتا ہے جس نے آگے چل کر آرامی، سریانی، نبطی خطوط کی شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لئے بحث و نظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دیئے ہیں۔ ازانجملہ یہ بھی معلوم ہوا کہ توراۃ کے نزول اور کتبخانہ بابل کی الواح سے پہلے بھی عربی زبان کے مواد و مصادر نے ایک مکتوب اور مرسوم زبان کی نوعیت اختیار کر لی تھی۔ یعنی اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں اعلانات و فرامین لکھے جاتے تھے۔ محض بول چال کی زبان نہ تھی۔ نیز یہ کہ اگر ۱۲۵۰ ق م میں عربی زبان کی ایک ابتدائی شکل کا یہ حال تھا تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جاوے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ایوب نے عربی میں کوئی منظوم صحیفہ لکھا تھا اور شریعت حمورابی بھی اصلاً عربی کی کتاب ہے۔

قرآن کا نزول عربی زبان میں

قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا اور جا بجا اس بات پر زور دینا کہ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا "ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا عربی میں نازل کیا" صرف لفظی ہی معنی نہیں رکھتا جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں بلکہ ایک وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کے عرب میں نازل ہونے کا ایک اہم سبب عربی زبان بھی ہے۔

پانچواں سبب

پانچویں چیز جو ہم نے پیش کی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اس ذریت سے جو وادی غیر ذی زرع میں آباد تھی ایک امت اٹھانے کی جو اسلام کی حامل ہو اور ایک پیغمبر مبعوث فرمانے کی جو دعا فرمائی تھی اس میں ایک خاص حکمت و مصلحت تھی جس پر "الرای الصحیح فیمن هوالذبیح" کے ص۲ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی تفصیل ہے۔

اس امتحان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال اسلام اور حوالگیٔ نفس کو بالکل آشکارا کر دیا اور یہی چیز توحید کامل اور دین خالص کی اصلی حقیقت ہے۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر معاملہ کی ایک اور خصوصیت پر غور کرو اس اسلام کو جس کی حقیقت اوپر بیان ہوئی عام ملت و شریعت کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے مخصوص فرمایا اس میں دوسروں کو ساجھی نہیں بنایا۔ کیونکہ شریعت اسی کو دی جاتی ہے جو اس کو اٹھا سکے، اس بار گراں کی متحمل صرف آپ ہی کی امت ہو سکتی تھی اس لئے اسی کو یہ امانت تفویض ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس ذریت میں سے جو اس وادی غیر ذی زرع میں

آباد ہے ایک امت اٹھائے جو اس شریعت کی جو حقیقت و کمال اسلام کی مظہر ہے حامل ہو اور ایک پیغمبر مبعوث فرمائے جو اس امت کو اس بارِ گراں اٹھانے کے قابل بنائے اور ان کو اس شریعت کی تعلیم دے۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم (سورہ بقرہ)

اور یاد کرو جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل گھر (بیت اللہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور (وہ دعا کر رہے تھے) اے پروردگار ہماری دعا قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے، پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار امت اٹھا اور بتا ہم کو ہمارے حج کے مراسم اور قبول فرما ہماری توبہ بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے' پروردگار! اور اٹھا انھیں میں سے ایک رسول جو سنائے ان کو تیری آیتیں اور سکھائے ان کو شریعت و حکمت اور ان کو پاک کرے بیشک تو غالب و حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کی ذریت میں سے وہ امت اٹھائی جو اس شریعت کی حامل قرار پائی۔ جس کی بنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسلام کامل پر رکھی تھی جس کی اصل حقیقت خدا کی راہ میں اپنے نفس کو قربان کر دینا ہے اس طرح یہ پوری امت گویا خدا کی راہ میں قربان ہے اس کی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، ایک دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوئی ہے اس میں یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے۔

قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین (سورہ انعام)

کہدو کہ میرے رب نے مجھکو ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے وہ ایک دین ہے اور مستحکم طریقہ ابراہیم کا جس میں کجی کا نام نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ کہدو میری نماز میری قربانی میرا جینا، میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالم کا مالک ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں تمام مسلمانوں میں پہلا ہوں۔

"اول المسلمین" کی حقیقت پر غور کیجئے اسلام سے اس کا یہی خاص مفہوم مراد ہے ورنہ اسلام اپنے عام معنی میں تو تمام مذاہبِ حقہ کے لئے بولا گیا ہے البتہ علم اور نام کی حیثیت سے صرف شریعتِ محمدیہ کیلئے استعمال ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مذہب کے پیرو کمالِ اسلام کے آخری نقطہ پر ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ اپنی جان کو خدا کے سپرد کر چکے ہیں اور ان کے اسی وصف کی وجہ سے اللہ نے ان کو برگزیدہ کر کے تمام دنیا پر گواہ بنایا ہی چنانچہ ارشاد ہے۔

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول علیکم شھیدا۔ وتکونوا شھداء علی الناس (سورہ حج)

یعنی اور اللہ کے کام میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو ممتاز کرلیا، تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو، اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس (قرآن) سے پہلے اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔

"ھو سمٰکم المسلمین من قبل" (اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس سے پہلے بھی) اس میں حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جس میں انھوں نے دعا کی ہے کہ "من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" (اور ہماری ذریت میں سے ایک فرمانبردار امت اٹھا) اس خاص مقصد کے لئے ایک خاص امت اٹھائی گئی کہ یہ نعمت تمام دنیا پر عام ہو اور ابراہیمؑ کی نسل تمام عالم کیلئے خیر و برکت کا سرچشمہ قرار پائے چنانچہ توراۃ میں جہاں واقعۂ ذبح بیان ہوا اس کی طرف نہایت واضح اشارہ ہے۔

"اور میں اس وجہ سے کہ تو نے یہ کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے بچا نہ رکھا تجھکو برکت دونگا اور تیری نسل کو بڑھاؤنگا۔ . . . . اور تیری نسل میں زمین کی تمام قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تو نے میری بات سنی۔"

اس آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ یہ امت تمام دنیا میں دین خالص اور توحید کامل کی اشاعت کریگی اس لئے اسکی برکت تمام دنیا کی قوموں کو پہنچے گی اور یہی معنی ہیں (ولتکونوا شھداء علی الناس) اور تم لوگوں پر گواہ ہو اور جاھدوا فی اللہ حق جھادہ (اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو پورا جہاد) کے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عظیم الشان مقصد کی انجام دہی کیلئے چن لیا ہے پس تمہاری تمام جد و جہد اور سرگرمی کا محور یہی مقصد ہونا چاہئے تم اللہ کی راہ میں قربان ہو چکے ہو تمہاری زندگی و موت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے تم لوگوں پر اللہ کے گواہ اور ان کے ہادی و رہبر بنائے گئے ہو ــــ اچھا اب اس پوری تفصیل پر دوبارہ نظر ڈالو اور غور کرو کہ اس سے کیا کیا باتیں معلوم ہوئیں ــــ اس سے معلوم ہوا کہ یہی وہ کامل اسلام ہے جو ملت ابراہیمی کی اصل حقیقت ہے اسی کی تکمیل و تفصیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اسی کا نام اسلام رکھا اور اس کے پیروؤں کو مسلم کا لقب بخشا پھر اسی کی دعوت و تبلیغ کیلئے ذریت ابراہیمؑ میں سے جو دین حنیفی کے مرکز بیت اللہ الحرام کے پاس آباد تھی ایک خاص امت مسلمہ مبعوث فرمائی اور پھر غور کرو کس خوبی و اختصار اور جامعیت کے ساتھ یہ تمام اشارات آیت ذیل میں جمع ہو گئے ہیں۔

اقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (روم)

(اپنے رخ کو سیدھا کرو دین کیلئے یکسو ہو کر یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی سیدھا فطری دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں) اب غور کرو جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ امتحان جبل یروشلم پر واقع ہوا اور ذبح ہونے والے حضرت اسحاقؑ ہیں وہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عظمیٰ کی اصل حقیقت اور مذہب اسلام کے اندر اس قربانی کی اصلی عظمت و اہمیت سے کسقدر بیگانہ ہیں" ــــ ہم نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ عرب ہی کو اسلام کی امانت تفویض ہونی چاہئے تھی اور قرآن کا حامل ہونے کیلئے جن خصوصیات و کمالات کی ضرورت تھی وہ ان میں بدرجۂ کمال موجود تھیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔